موابدید کے مطابق ترتیب دے کر مرثیہ کو ایک سو انچاس بندوں تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن نسخہ نول کشور
۴ تا ۷، کو ختم مرثیہ کے بعد الگ منضبط کیا ہے تاکہ اگر کوئی صاحب اس مفصل میں سے مجمل اور اس
سے مختصر مرثیہ پڑھنا چاہیں۔ تو نسخہ نول کشور کے مطابق ترتیب وار بندوں پر نمبر لگا کر پڑھ لیں۔
ا مرثیہ کی مقبولیت اور قدردانی کی طویل تاریخ میں سے کسے معلوم، کہ مرزا صاحب نے کتنی مجلسوں
بر پڑھا اور کس صاحب ذوق نے کیا داد دی، اور مجلس نے کس قدر پسند کیا ؟ ہاں افضل حسین،
نے یہ روایت لکھ کر ہمیں مرثیہ و دبیر کے قدردان اور دبیر کی سیرت کا ایک چمکتا گوشہ ضرور نظر آیا۔
احب کا بیان ہے :

یہ مرثیہ، ۱۸۵۷ء سے پہلے کی تصنیف ہے۔ تمام مرثیہ خاص کر اس کا بین مرزا صاحب کو
ت پسند تھا، اکثر ان کے شاگردوں اور دوستوں نے مانگا مگر مرزا صاحب نے کسی کو نہ دیا۔
ب محسن الدولہ بنیرہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ اور خویش محمد علی شاہ بادشاہ اس مرثیے کے
ت مشتاق تھے، انھوں نے بارہا اپنے احباب سے فرمایا کہ جو شخص یہ اصلی مرثیہ مرزا صاحب
مجھے کسی ترکیب سے لا دے میں اس کو پانچ سو روپیہ انعام دوں۔ مرزا صاحب کو بھی اس کی
بر ہو گئی۔ وہ ہر مرثیہ کو خاص کر نئے مرثیے کو بہت احتیاط سے رکھتے تھے۔
۱۸۵۷ء کے بعد ایک سید صاحب کے پاس آئے اور ان سے کہا: میں لڑکی کی شادی
وں گا اور پھر کربلائے معلے جاؤں گا، آپ پانچ سو روپے کسی رئیس سے مجھے دلوا دیجیے۔
زمانہ لکھنؤ کی تباہی کا تھا، اکثر رئیس اپنے حال میں مبتلا تھے مگر نواب محسن الدولہ کے پاس
ی لاکھ روپے کے نوٹ اور پنشن معقول اور جائداد تھی، مرزا صاحب نے کچھ سوچ کر ان
اپنا یہی مرثیہ دے دیا اور کہا، آپ نواب محسن الدولہ کی ڈیوڑھی پر جا کر اطلاع دیجیے گا کہ
رے پاس یہ مرثیہ ہے اور یہ بھی کہیے گا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کا اشتہار ہے کہ جو شخص
رثیہ "کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے" لا دے، میں اس کو پانچ سو روپیہ دوں گا۔ اب مجھے
نچ سو روپیہ دیجیے انھوں نے ایسا ہی کیا، پہلے تو محسن الدولہ مرحوم سمجھے کہ صرف مطلع مرزا صاحب کا
باقی بند کسی اور کے مگر سید صاحب نے خط و قلم کی طرف متوجہ کیا تو نواب صاحب مان گئے کیوں کہ ان
بیگم صاحبہ مرزا صاحب کی شاگرد تھیں، نواب صاحب نے پانچ سو روپے سید صاحب کو دیے اور مرثیہ کی نقل لے کر
ل مرثیہ سید صاحب کے حوالے کیا، نواب صاحب نے بہت پوچھا کہ مرثیہ کیوں کر ملا، مگر سید صاحب نے اصل راز نہ بتایا۔

(حیات دبیر ج ۱ ص ۷۰)

مرثیہ :

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے

۱۴۹ بند

بیان جنگ و شہادت حضرت عباسؑ

۱ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رن ایک طرف، چرخِ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیرِ کفن کانپ رہا ہے — ہر قصرِ سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدرؑ کے پسر کو
جبریلؑ لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

۲ طبلؐ و دہلؐ و بوق کو سکتا ہوا، ڈر سے — اک بار اڑا تاج ہما شاہوں کے سر سے
خنجر گرے کھل کھل کے شجاعوں کی کمر سے — تائب ہوئے مریخؐ و زحل فتنہ و شر سے
خورشید و مہِ نو نے کہا چرخِ بریں پر
اب کھول کے رکھ دو سپر و تیغ زمیں پر

۳ ہیبت سے ہیں نہؐ قلعۂ افلاک کے دربند — جلاّدِ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمرِ چرخ سے جوزا کا کمربند — سیارے ہیں غلطاں صفتِ طائرِ پر بند
انگشتِ عطاردؐ سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

۴ خود فتنہ و شر پڑھ رہے ہیں فاتحہؐ خیر — کہتے ہیں آنا العبد، آنا العبد بتِ دیر
جاں غیر ہے، تن غیر، مکیں غیر، مکاں غیر — جز رنگِ رخِ فوج نہ اڑتا تھا کوئی طیر!
سکتے میں فلک خوف سے مانند زمیں ہے
جز طالعِ اعدا کوئی گردش میں نہیں ہے

۵ بے ہوش ہے بجلی، پہ سمند اُن کا ہے ہشیار   خوابیدہ ہیں سب، طالعِ عباسؑ ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید، عَلم اِن کا نمودار   بے نور ہے مُنہ چاند کا، رخ ان کا ضیا بار
سب جزو ہیں، کُل رتبے میں کہلاتے ہیں عباسؑ
کونین پیادہ ہے، سوار آتے ہیں عباسؑ

۶ ہر بند کھلا قبر میں رستم کے کفن کا!   اور چرخ پہ ڈھلنے لگا بہرام کا مُنکا!
تھا ہوش تہمتن کو نہ اپنے سر و تن کا!   نام اُڑ گیا ذہنوں سے سلاطینِ زمن کا!
جس شیر نے شیروں سے سدا پنجہ کیا ہے
جنگاہ میں آج اس نے قدم رنجہ کیا ہے

۷ جھکا کے سر و خوار، زر و نقرہ کے عصا کو   سرکاتے ہیں بے پیرِ فلک پشتِ دوتا کو
عدل آگے بڑھا، حکم یہ دیتا ہے قضا کو   ہاں! باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے البغض و حسد و کبر و ریا کا
سر کاٹ لے، حرص و طمع و مکر و دغا کا

۸ راحت کے محلّوں کو بلا پوچھ رہی ہے   ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر سے عمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے   دوزخ کا پتہ فوجِ جفا پوچھ رہی ہے
غفلت کا تو دل چونک پڑا خوف سے ہل کر
فتنے نے کیا خواب گلے کفر سے مل کر

۹ "النشر" کا ہنگامہ ہے اس وقت حشر میں   "القبور" کا آوازہ ہے اب جن و بشر میں
"الہجر" کا ہے تذکرہ باہم وتن و سر میں   "الوصل" کا غل ہے سقر و اہلِ سقر میں
"الحشر" جو مُردے نہ پکاریں تو غضب ہے
"الموت" زبانِ ملک الموت پہ اب ہے

۱۰ رو کش ہے اِس اِک تن کا بہمن نہ تہمتن   سہراب و نریمان و پشن بے سر و بے تن
قاروں کی طرح تحتِ زمیں غرق ہے قارن   ہر عاشقِ دنیا کو ہے دنیا چہِ بیژن
سب بھول گئے اپنا حسب اور نسب آج
آتا ہے جگر گوشۂ قتالِ عرب آج

۱۱ ہر خود نہاں ہوتا ہے خود کا سہ سر میں   مانندِ رگ و ریشہ زِرہ چھپتی ہے بر میں
بے رنگ ہے رنگ اسلحہ کا فوجِ عمر میں   جوہر ہے نہ تیغوں میں نہ روغن ہے سپر میں
رنگ اڑ کے بھرا ہے جو رخِ فوجِ لعیں کا
چہرہ نظر آتا ہے فلک کا نہ زمیں کا

۱۲ ہے شور فلک کا یہ خورشیدِ عرب ہے   انصاف یہ کہتا ہے کہ چپ! اجلائے ادب ہے
خورشیدِ فلک، پرتوِ عارض کا لقب ہے   یہ قدرتِ رب، قدرتِ رب، قدرتِ رب ہے
ہر ایک کب اس کے شرف و جاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے جو اللہ کو سمجھے

۱۳ یوسفؑ ہے یہ کنعاں میں، سلیماںؑ ہے سبا میں   عیسیٰؑ ہے مسیحائی میں، موسیٰؑ ہے دُعا میں
ایوبؑ ہے یہ صبر میں، یحییٰؑ ہے بکا میں   شبیرؑ ہے مظلومی میں، حیدرؑ ہے وغا میں
کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدمؑ
عباسؑ سا دنیا میں پسر رکھتے ہیں آدمؑ

۱۴ پنجے میں یداللہ ہے، بازو میں ہے جعفرؓ   طاعت میں ملک، خو میں حسنؑ، زور میں حیدرؑ
اقبال میں ہاشم ہے، تواضع میں پیمبرؐ   اور طنطنہ و دبدبہ میں حمزہؓ صفدر
جوہر کے دکھانے میں یہ شمشیرِ خدا ہے
اور سر کے کٹانے میں یہ شاہِ شہدا ہے

۱۵ بے ان کے شرف کچھ بھی زمانہ نہیں رکھتا   ایمان سوا ان کے خزانہ نہیں رکھتا
قرآں بھی کوئی اور فسانہ نہیں رکھتا   شبیرؑ بغیر اِن کے یگانہ نہیں رکھتا
یہ روحِ مقدس ہے فقط جلوہ گری میں
یہ عقلِ مجرد ہے جمالِ بشری میں

۱۶ ہر سو جو گرا عکسِ رخِ سرخِ قضا را   اک تختۂ یاقوت بیاباں ہوا سارا
سورج کی کرن نے کیا شرما کے اشارا   یوں دھوپ اڑی آگ پہ جس طرح سے پارا
ذروں نے چمک کر کہا اس روپ کے اوپر
لو سایہ کا شبخون گرا دھوپ کے اوپر

۱۷ قربان، ہوائے علمِ شاہِ امم کے　　سب خار ہرے ہو کے بنے سرو ارم کے
ہیں رازِ عیاں خالقِ ذوالفضل و کرم کے　　جبریل نے پر کھولے ہیں پردے میں علم کے
پرچم کا جہاں عکس گرا صاعقہ چمکا
پرچم کہیں دیکھا نہ سنا اس چم و خم کا

۱۸ قرنا میں نہ دم ہے، نہ جلاجل میں صدا ہے　　بوق و دُہل و کوس کی بھی سانس ہوا ہے
ہر دل کے دھڑکنے کا مگر شور بپا ہے　　باجا جو سلامی کا اسے کہیے بجا ہے
سکتے میں جو آواز ہے نقارہ و دف کی
نوبت ہے وُرودِ خلفِ شاہِ نجف کی

۱۹ آمد کو تو دیکھا، رُخِ پُرنور کو دیکھو　　"والشمس" پڑھو، روشنیِ طور کو دیکھو!
نے روشنیِ ماہ کو، نے ہُور کو دیکھو　　اس شمعِ مرادِ ملک و حور کو دیکھو!
ہے کون تجلی رُخِ پُرنور کی مانند
یاں روشنیِ طور جلی طور کی مانند

۲۰ مدّاح کو اب تازگیِ نظم میں کد ہے　　یا حضرتِ عباسِ علی! وقتِ مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہے وہ سند ہے　　اس نظم کا جو ہو نہ مُقِر اس کو حسد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینی سے سروکار ہے مجھ کو

۲۱ گلزار ہے یہ نظم و بیاں، بیشہ نہیں ہے　　باغی کو بھی گل گشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرعِ برجستہ ہے پھل، تیشہ نہیں ہے　　یاں مغزِ سخن کا ہے رگ و ریشہ نہیں ہے
صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

۲۲ گر کاہ ملے، فائدہ کیا کوہ کنی سے　　میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیقِ یمنی سے　　یہ ساز ہے سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے
آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنا لوں
پتھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

۲۳ گو خلعتِ تحسیں مجھے حاصل ہے سراپا　　پر وصفِ سراپا کا تو مشکل ہے سراپا
ہر عضوِ تن اک قدرتِ کامل ہے سراپا　　یہ روح ہے سر تا بقدم، دل ہے سراپا
کیا ملتا ہے گر کوئی جھگڑتا ہے کسی سے
مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے

۲۴ سورج کو چھپاتا ہے گہن، آئینہ کو زنگ　　داغی ہے قمر، سوختہ دل لالۂ خوش رنگ
کیا اصل دُر و لعل کی، وہ پانی ہے یہ سنگ　　دیکھو گل و غنچہ، وہ پریشاں ہے یہ دل تنگ
اس چہرے کو داور ہی نے لاریب بنایا
بے عیب تھا خود، نقش بھی بے عیب بنایا

۲۵ انساں کہے اس چہرے کو کب چشمۂ حیواں!　　یہ نور وہ ظلمت، یہ نمودار وہ پنہاں
برسوں سے ہے آزارِ یرقاں میں مہِ تاباں　　کب سے یرقاں مہر کو ہے اور نہیں درماں
آئینہ ہے گھر زنگ کا یہ زنگ نہیں ہے
اس آئینے میں رنگ ہے اور زنگ نہیں ہے

۲۶ آئینہ کہا رُخ کو تو کچھ بھی نہ ثنا کی　　صنعت وہ سکندر کی، یہ صنعت ہے خدا کی
واں خاک نے صیقل، یہاں قدرت نے جلا کی　　طالع نے کس آئینہ کو خوبی یہ عطا کی؟
ہر آئینہ میں چہرۂ انساں نظر آیا
اس رُخ میں جمالِ شہِ مرداں نظر آیا

۲۷ بے مثل جبیں ہے نگہِ اہلِ یقیں میں　　بس ایک یہ خورشید ہے افلاک و زمیں میں
جلوہ ہے عجب ابروؤں کا قربِ جبیں میں　　دو مچھلیاں ہیں چشمۂ خورشیدِ مبیں میں
مردم کو اشارہ ہے یہ ابرو کا جبیں پر
ہیں دو مہِ نو جلوہ نما چرخِ بریں پر

۲۸ بینی کے تو مضمون پہ دعوٰے ہے یقینی　　اس نظم کے چہرے کی وہ ہو جائے گا بینی
منظور نگہ کو جو ہوئی عرش نشینی　　کی سایۂ بینی نے فقط جلوہ گزینی
درکار اسی بینی کی محبت کا عصا ہے
یہ راہ تو ایماں سے بھی باریک سوا ہے

۲۹ بینی کو کہوں شمع، تو لَو اس کی کہاں ہے　　پُر نور بھووں پر مجھے شعلے کا گماں ہے
وہ شعلے اور اک شمع یہ حیرت کا مکاں ہے　　ہاں زلفوں کے کوچے سے ہَوا تُند رواں ہے
سمجھو نہ بھویں لیسکہ ہوا کا جو گذر ہے
یہ شمع کی لَو، گاہ اِدھر گاہ اُدھر ہے

۳۰ اس درجہ پسند اس رخِ روشن کی چمک ہے　　خورشید سے برگشتہ ہر اک ماہِ فلک ہے
ابرو کا یہ غل کعبۂ افلاک تلک ہے　　محرابِ دعا بشر و جنّ و ملک ہے
دیکھا جو مہِ نو نے اس ابرو کے شرف کو
کعبے کی طرف پشت کی، رخ اس کی طرف کو

۳۱ جو معنیِ تحقیق سے تاویل کا ہے فرق!　　پتلی سے وہی کعبے کی تمثیل کا ہے فرق
سرمے سے اور اس آنکھ سے اک میل کا ہے فرق　　میل ایک طرف نور کی تکمیل کا ہے فرق
اس آنکھ پہ امّت کے ذرا خشم کو دیکھو
ناوک کی سلائی کو اور اس چشم کو دیکھو

۳۲ گر آنکھ کو نرگس کہوں ہے عینِ حقارت　　نرگس میں نہ پلکیں ہیں، نہ پتلی، نہ بَصارت
چہرے پہ مہِ عید کی بے جا ہے اشارت　　وہ عید کا مژدہ ہے یہ حیدر کی بشارت
ابرو کی مہِ نو میں نہ جنبش ہے نہ ضَو ہے
اک شب وہ مہِ نو ہے، یہ ہر شب مہِ نو ہے

۳۳ مُنہ عرقِ عَرَق دیکھ کے خورشید ہوا تَر　　ابرو سے ٹپکتا ہے نرا تیغ کا جَوہَر
آنکھوں کا عَرَق روغنِ بادام سے بہتر　　عارض کا پسینہ ہے گلابِ گلِ احمر
قطرہ رخِ پر نور پہ ڈھلتے ہوئے دیکھو
عطرِ گلِ خورشید نکلتے ہوئے دیکھو

۳۴ تسبیح کناں منہ میں زباں آٹھ پہر ہے　　گویا دہنِ غنچہ میں برگِ گلِ تر ہے
کب غنچہ و گل برگ میں یہ نور مگر ہے　　یہ برج میں خورشید کے ماہی کا گذر ہے
تعریف میں ہونٹوں کی جو لب تر ہوا میرا
دنیا ہی میں قابو لبِ کوثر ہوا میرا

۳۵ یہ منہ جو حریفِ لبِ خوش رنگ ہوا ہے　　کیا قافیہ غنچے کا یہاں تنگ ہوا ہے
اب مدحِ دہن کا مجھے آہنگ ہوا ہے　　پر غنچے کا نام اس کے لیے ننگ ہوا ہے
غنچہ کہا اس منہ کو، حذر اہلِ سخن سے
سونگھے کوئی، بو آتی ہے غنچے کے دہن سے؟

۳۶ شیریں رقموں میں رقم اس لب کی جدا ہے　　اک نے شکر اور ایک نے یاقوت لکھا ہے
یاقوت کا لکھنا مگر انسب ہے بجا ہے　　یاقوت سے بڑھ کر جو لکھوں میں تو مزا ہے
چوسا ہے یہ لب مثلِ رُطَب حق کے ولی نے
یاقوت کا بوسہ لیا کس روز علیؑ نے

۳۷ جانِ فصحا، روحِ فصاحت ہے تو یہ ہے　　ہر کلمہ ہے موقع پہ بلاغت ہے تو یہ ہے
اعجازِ مسیحا کی کرامت ہے تو یہ ہے　　قائل ہے نزاکت کہ نزاکت ہے تو یہ ہے
یوں ہونٹوں پہ تصویرِ سخن وقتِ بیاں ہے
یاقوت سے گویا رگِ یاقوت عیاں ہے

۳۸ اب اصل میں شیریں دہنی کی کروں تحریر　　طفلی میں کھلا جب کہ یہ غنچہ پئے تقریر
پہلے یہ خبر دی کہ میں ہوں فدیۂ شبیرؑ　　اس مژدے پہ مادر نے انھیں بخش دیا شیر
منہ حیدرِؑ کرار نے میٹھا کیا ان کا!
شیرینیِ اعجاز سے منہ بھر دیا ان کا!

۳۹ اس لب سے دمِ تازہ ہر اک نے زندہ نے پایا　　جیسے شہِ مرداں نے نُصَیری کو جلایا
جاں بخشیِ اموات کا گویا ہے یہ آیا　　ہمدم دمِ روح القدس اس کا نظر آیا
دم قالبِ بے جاں میں جو دم کرتے تھے عیسیٰؑ
ان ہونٹوں کے اعجاز کا دم بھرتے تھے عیسیٰؑ

۴۰ دانتوں کی لڑی سے یہ لڑی عقلِ خداداد　　وہ بات ٹھٹکنے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ گوہرِ عباسؑ ہیں، پاک ان کی ہے بنیاد　　عباسؑ و نجف ایک ہیں گینے اگر اعدا د!
معدن کے شرف ہیں یہ جواہر کے شرف ہیں
دنداں دُرِ عباس ہیں تو دُرِّ نجف ہیں

۴۱ اب چاہنے والے کریں ہاتھوں کا نظارا — دس انگلیاں ہیں مثلِ علم ان میں صف آرا
ہر پنجہ کا ہے اپنے محبّوں کا اشارا — اے دوستو! عشرے میں علم رکھنا ہمارا

پہلے مرے آقا مرے سالار کو رونا!
پھر زیرِ علم ان کے علم دار کو رونا!

۴۲ ناموسِ کمر فکر کا رشتہ نہیں جاتا — فکر ایک طرف وہم بھی جا تا نہیں جانا
پر فکرِ رسا کا مری دعوے نہیں جاتا — مضمون یہ نازک ہے کہ باندھا نہیں جاتا

اب زیبِ کمر تیغ شرر بار جو کی ہے
عباسؑ نے شعلے کو گرہ بال کی دی ہے

۴۳ ستے چرخ کے سو دورے تو اک رخش کا کاوا — دیتا ہے سدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ قسم ہے ترکیبِ عناصر کے علاوا — اللہ کی قدرت ہے تو چھل بل نہ چھلاوا

چلتا ہے غضب چال، قدم شل ہے قضا کا
توسن نہ کہو، رنگ اڑا ہے یہ ہوا کا

۴۴ گردش میں ہر اک آنکھ ہے فانوسِ خیالی — بندش میں ہیں نعل اُس کے رباعی ہلالی
روشن ہے کہ جوزا نے عناں دوش پہ ڈالی — پھرتی سے ہے مضمون رکابوں کا بھی خالی

سرعت ہے اندھیرے اور اجالے میں غضب کی
اندھیاری اسے چاندنی ہے چودھویں شب کی

۴۵ گردوں ہو کبھی ہم قدم اس کا، یہ ہے دشوار — وہ قافلے کی گرد ہے، یہ قافلہ سالار
وہ ضعف ہے یہ زور، وہ مجبور، یہ مختار — یہ نام ہے، وہ ننگ ہے یہ فخر ہے وہ عار

اک جست میں رہ جاتے ہیں یوں ارض و سما دور
جس طرح مسافر سے دمِ صبح سرا دور

---

[۱] مندرجۂ ذیل بند، اشارِ دبیر کے علاوہ دوسرے ماخذ میں بھی ہے:
مشتاق ہوں اب عالمِ بالا کی مدد کا — درپیش ہے مضمون علمدار کے قد کا
یہ ہے قدِ بالا پسرِ شیرِ صمد کا — یا سایہ مجسّم ہوا اللہُ احد کا
اس قد پہ دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے
کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر سر خدا نے

۴۶ جو بوند پسینے کی ہے، شوخی سے بھری ہے — ان قطروں میں پریوں سے سوا تیز پری ہے
گلشن میں صبا، باغ میں یہ کبکِ دری ہے — فانوس میں پروانہ ہے، شیشے میں پری ہے

یہ ہے وہ ہما جس کے جلو دار مَلک ہیں
سایے کی جگہ پر کے تلے ہفت فلک ہیں

۴۷ ٹھہرے تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے — دوڑے، تو زمیں چرخِ بریں پر نظر آئے
شہبازِ ہوا کا نہ کہیں پر نظر آئے — راکب ہی فقط دامنِ زیں پر نظر آئے

اس راکب و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا، وہ مشیّت ہے خدا کی

۴۸ شوخی میں پری، حسن میں ہے حورِ بہشتی — طوفان میں راکب کے لیے نوحؑ کی کشتی
کب اُبلقِ دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی — یہ خیر ہے، وہ شر ہے، یہ خوبی ہے، وہ زشتی

صحرا میں چمن، فصلِ بہاری ہے چمن میں
رہوار ہے اصطبل میں، تلوار ہے رن میں

۴۹ اِس رخش کو عباسؑ اڑاتے ہوئے آئے — کو سِ "لِمَنِ الْمُلک" بجاتے ہوئے آئے
تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے — اک تیغِ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے

بے چلّے کے کھینچے ہوئے ابرو کی کماں کو
بے ہاتھ کے تانے ہوئے پلکوں کی سناں کو

۵۰ لکھا ہے مورّخ نے کہ اک گبرِ دلاور — ہفتم سے فزوں کش تھا میانِ صفِ لشکر
روئیں تن و سنگیں دل و بد باطن و بدبر — سر کر کے مہم نیزوں پہ لایا تھا کئی سر

ہمراہِ شقی فوج تھی ڈنکا تھا نشاں تھا
جاگیر کے لینے کو سوئے شام رواں تھا

۵۱ تقدیر جو رن میں شبِ ہفتم اُسے لائی — خلوت میں اسے بات عمر نے یہ سنائی
درپیش ہے سادات سے ہم کو بھی لڑائی — واں پنجتنی چند ہیں یاں ساری خدائی

اکبرؑ کا نہ قاسمؑ کا نہ شبیرؑ کا ڈر ہے
دو لاکھ کو اللہ کی شمشیر کا ڈر ہے

۵۲ بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وسواس   شمشیرِ خدا کون؟ عمر بولا کہ عباسؑ
اس نے کہا: پھر فتح کی کیونکر ہے تجھے آس؟   بولا کہ کئی روز سے اُس شیر کو ہے پیاس
ہم بھی ہیں بہادر، نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباسِ علیؑ سے

۵۳ تشریف علمدارِ جری رن میں جو لایا!   اُس گبر کو چپکے سے عمر نے یہ سنایا
اندیشہ تھا جس شیر کے آنے کا، وہ آیا   سر اُس نے پرے سے سوئے عباسؑ اٹھایا
دیکھا تو کہا، کانپ کے یہ فوجِ دغا سے
رُوبا ہو! لڑاتے ہو مجھے شیرِ خدا سے؟

۵۴ مانا کہ خدا یہ نہیں، قدرت ہے خدا کی   مجھ میں ہے بڑا زور، یہ طاقت ہے خدا کی
کی خوب ضیافت مری، رحمت ہے خدا کی   سب نے کہا: تجھ پر بھی عنایت ہے خدا کی
جا، عذر نہ کر، نام ہے مردوں کا اسی سے
تو دبدبہ و زور میں کیا کم ہے کسی سے

۵۵ بادل کی طرح سے وہ گرجتا ہوا نکلا!   جلدی میں سلحِ جنگ کے سجتا ہوا نکلا!
ہر گام رہِ عمر کو تجتا ہوا نکلا   اور سامنے نقارہ بھی بجتا ہوا نکلا!
غالب تھا تہمتن کی طرح اہلِ جہاں پر!
دھنستی تھی زمیں پاؤں وہ رکھتا تھا جہاں پر

۵۶ تیار کمر کس کے ہوا جنگ پہ خونخوار   اور پیکِ اجل آیا، ہوئی قبر بھی تیار
خنجر لیا منہ دیکھنے کو اور کبھی تلوار   مثلِ ورمِ مرگ چڑھا گھوڑے پہ اک بار
وہ رخش پہ، یا دیو دنی تختِ زری پر!
غل رن میں اٹھا، کوہ چڑھا کبکِ دری پر

۵۷ اس ہیئت و ہیبت سے وہ نخوت سیر آیا   آسیب کو بھی سائے سے اس کے حذر آیا
میداں میں قیامت کو بھی محشر نظر آیا   گرد اپنے لیے نیزوں پہ کشتوں کے سر آیا
زندہ ہی پئے سیر نہ ہر صف سے بڑھے تھے
سر مُردوں کے نیزوں پہ تماشے کو چڑھے تھے

۵۸ سیدھا کبھی نیزے کو ہلایا، کبھی آڑا   پڑھ پڑھ کے رجز باغِ فصاحت کو اجاڑا
ظالم نے کئی پشت کے مُردوں کو اکھاڑا!   بولا: مری ہیبت نے جگر شیروں کا پھاڑا
ہم پنجہ نہ رستم ہے نہ سہراب ہے میرا
مرحب بنِ عبدُ الکفر القاب ہے میرا

۵۹ فتراک میں سر باندھتا ہوں پیلِ دماں کا   پنجہ میں سدا پھیرتا ہوں شیرِ ژیاں کا
نظارہ ذرا کیجیے ہر شاخِ سناں کا   اُس نیزے پہ وہ سر ہے فلاں ابنِ فلاں کا
جو جو تھے یلانِ کہن اس دورۂ نو میں
تن اُن کے تہِ خاک ہیں، سر میرے جلو میں

۶۰ انساں کا کیا حوصلہ جو مجھ سے کرے جنگ   جنات کے رخ کا مری دہشت سے اڑا رنگ
ہنگامِ وغا دیوِ فلک مجھ سے ہے دل تنگ   اک وار میں دو شیروں کو کرتا ہوں چورنگ
بہمن کو میں اور گیو کو ہوں مور سمجھتا
میں رستمِ دستاں کو ہوں کمزور سمجھتا!

۶۱ ہاں، سیفِ زباں سیفِ الٰہی نے علم کی   فرمایا: مرے آگے یہ تقریر ستم کی؟!
اب منہ سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی   کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی
طاقت ہے ہماری اسد اللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے یدُ اللہ کی طاقت

۶۲ تو یہ، تو خدا جانتا ہے شمس و قمر کو؟!   وہ شام کو ہوتا ہے غروب اور یہ سحر کو
ایمان سمجھ مہرِ شہِ جن و بشر کو!   شمعِ رہِ معراج ہیں یہ اہلِ نظر کو
خورشید بنی فاطمہ تو شاہِ اُمم ہیں
اور ماہ بنی ہاشمی آفاق میں ہم ہیں

۶۳ عبدُ القمرِ نحس کا تو داغِ جگر ہے   میں چاند علیؑ کا ہوں، تجھے کچھ بھی خبر ہے
تو کفر ہے، میں دین ہوں، میں خیر تو شر ہے   میں مالکِ فردوس ہوں، تو اہلِ سقر ہے
تو غولِ بیاباں میں سلیمانِ علیؑ ہوں
تو روبہ ہے، میں شیرِ نیستانِ علیؑ ہوں

۶۴ مرحب ہے تو ہم مرحب و عنتر کے گشندے   عنتر کے گشندے ہیں تو اژدر کے دَرندے
اژدر کے دَرندے ہیں تو خیبر کے کَنندے   خیبر کے کَنندے ہیں تو لشکر کے بُرندے

لشکر کے بُرندے ہیں، تو شمشیرِ خدا ہیں
شمشیرِ خدا ہیں، سپرِ آلِ عبا ہیں

۶۵ شاہوں کا چراغ آتے ہی گل کر دیا ہم نے   ہر جا عملِ ختمِ رُسُل کر دیا، ہم نے
خندق پہ درِ قلعہ کو پُل کر دیا ہم نے   اک جزو تھا کُل، اُس کو کل کر دیا ہم نے

کیا جانے یہ تو، سب شرفِ آلِ عبا ہیں
وہ ہیں نہ جدا ہم سے نہ ہم ان سے جدا ہیں

۶۶ خورشیدِ درخشاں میں بتا نور ہے کس کا؟   کلمہ ورقِ ماہ پہ مسطور ہے کس کا؟
اور سورۂ "والشمس" میں مذکور ہے کس کا؟   ذرّے کو کرے مہر یہ مقدور ہے کس کا؟

یہ صاحبِ مقدور نبیؐ اور علیؑ ہیں
یا ہم کہ غلامِ خلفُ الصّدقِ نبیؐ ہیں؟!

۶۷ دو چاند کو کرتی ہے اک انگشت ہماری   ہے مہرِ نبوت سے ملی پشت ہماری
ہے تیغِ ظفر وقتِ زد و کُشت ہماری   سَو گُرزِ قضا، ضربتِ یک مشت ہماری

قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں، ظالم
ہم شیر ہیں اور صاحبِ شمشیر ہیں، ظالم

۶۸ سب کو ہے فنا، دورہ ہمیشہ ہے ہمارا   سر پیشِ خدا رکھنا یہ پیشہ ہے ہمارا
ہیں شیرِ خدا جس میں وہ بیشہ ہے ہمارا   عاری ہے اجل جس سے وہ تیشہ ہے ہمارا

ہم جزوِ بدن اس کے ہیں جو کل کا شرف ہے
رشتے میں ہمارے گہرِ پاکِ نجف ہے

۶۹ جوشن جو دعاؤں میں ہے وہ اپنی زرہ ہے   ہر عقدے کا ناخن مرے نیزے کی گرہ ہے
تلوار سے پانی جگرِ شیر کہ دمہ ہے   کاٹا پرِ جبریل کو جس تیغ نے یہ ہے

سر، خود و کلہ کا نہیں محتاج ہمارا
شبّیرؑ کا ہے نقشِ قدم تاج ہمارا

۷۰ احمد ہے چچا، میرا پدر حیدرِ صفدر   وہ کل کا پیمبر ہے یہ کونین کا رہبر
اور مادرِ زینب کی ہے لونڈی مری مادر   بھائی مرا اک عون، دو عبداللہ و جعفر

اور شبّرؑ و شبّیرؑ ہیں سردار ہمارے
ہم ان کے غلام اور وہ مختار ہمارے

۷۱ قاسمؑ کا عزادار ہوں اکبرؑ کا میں غم خوار   لشکر کا علم دار ہوں، سرور کا جلودار
میں کرتا ہوں پر وہ تو حرم ہوتے ہیں اسوار   تھا شب کو نگہبانِ خیامِ شہِ ابرار

اب تازہ یہ بخشش ہے قدیرِ ازلی کی!
سقّا بھی بنا اس کا جو پوتی ہے علیؑ کی!

۷۲ ہم بانٹتے ہیں روزیِ ہر بندۂ غفّار   رزّاق کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
پر حق کی اطاعت ہے جو ہر کار میں درکار   خود وقتِ سحر روزے میں کھا لیتے ہیں تلوار

ہیں عُقدہ کشا، دستِ کشا قلعہ کشا بھی
پر صبر سے بندھواتے ہیں رسّی میں گلا بھی

۷۳ ناری کو بہشتی کے رجز پر حسد آیا   یوں جل کے پئے حملہ وہ ملعونِ بد آیا
گویا کہ سقر سے عمر و عبدِ وَد آیا!   اور لرزے میں مرحب بھی میانِ لحد آیا

نفریں کی خدا نے اُسے تحسین عُمرؑ نے
مجرا کیا عباسؑ کو یاں فتح و ظفر نے

---

۸۵ شعارِ دبیر میں یہ مصرع یوں ہے:
"اب تازہ یہ بخشش ہے خدائے ازلی کی"

۸۶ شعارِ دبیر میں اس کے بعد ایک عمدہ بند زائد ہے:
اُس کے قدمِ پاک کا فدیہ ہے سر اپنا   قربان کیا جس پہ نبیؐ نے پسر اپنا
نذرِ سرِ اکبر ہے دل اپنا جگر اپنا   بیت الشرف شاہ پہ صدقے ہے گھر اپنا

مشہور جو عباس زمانے کا شرف ہے
شبّیر کی نعلین اٹھانے کا شرف ہے

۷۴ شبیرؑ کو بڑھ بڑھ کے تقیبوں نے پکارا   لو ٹوٹتا ہے دستِ زبردست تمہارا!
ہے مرحبِ عبدُ القمر اب معرکہ آرا   شبیرؑ بقیں جانو کہ عباسؑ کو مارا
یہ گرگ ہے، وہ یوسفؑ، یہ خزاں ہے وہ چمن ہے
وہ چاند، یہ عقرب ہے۔ وہ سورج یہ گہن ہے

۷۵ اس شور نے تڑپا دیا حضرت کے جگر کو   اکبرؑ سے کہا، جاؤ تو عموؑ کی خبر کو
اکبرؑ بڑھے اور مڑ کے پکارے یہ پدر کو   گھیرا ہے کئی نحس ستاروں نے قمر کو
اک فوج نئی گردِ علم دار ہے رن میں
لو ماہِ بنی ہاشمی آتا ہے گہن میں[1]

۷۶ غل ہے کہ دلِ آلِ عبا توڑے گا مرحب   اب بازوئے شاہِ شہدا توڑے گا مرحب
بندِ کمرِ شیرِ خدا توڑے گا مرحب   گوہر کو تہہِ سنگِ جفا توڑے گا مرحب
مرحب کا نہ کچھ اس کی توانائی کا غم ہے
فدوی کو چچا جان کی تنہائی کا غم ہے

۷۷ شہ نے کہا: کیا روحِ علیؑ آئی نہ ہوگی!   نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی؟
کیا فاطمہؑ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی!   سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی؟
بندوں پہ عیاں زورِ خدا کرتے ہیں عباسؑ
پیارے مرے، دیکھو تو کہ کیا کرتے ہیں عباسؑ

۷۸ سن کر یہ خبر بیبیاں کرنے لگیں نالا!   ڈیوڑھی پہ کمر پکڑے گئے سیّدِ والا
چلّائے کہ فضّہ! علی اصغرؑ کو اٹھا لا،   ہے وقتِ دعا چھوٹتا ہے گود کا پالا
سیدانیو! سر کھول دو، سجّادہ بچھا دو
دشمن پہ علم دار ہو غالب یہ دعا دو

---

[1] شعار دبیر میں یہاں ایک بند کا اضافہ بر محل ہے:
اک گبرِ قوی آیا ہے کھینچے ہوئے تلوار   کہتا ہے کہ اک حملے میں ہے فیصلۂ کار
سر کشتوں کے نیزوں پہ ہیں گرد اس کے نمودار   یاں دست بقبضہ متبسّم ہیں علمدار
اللہ کرے خیر کہ ہے قصدِ شر اس کو
سب کہتے ہیں مرحب بنِ عبدالقمر اس کو

۷۹ خیمے میں قیامت ہوئی فریاد و بکا سے   سہمی ہوئی کہتی تھی سکینہ، یہ خدا سے
غارت ہو الٰہی، جو لڑے میرے چچا سے   وہ جیتے پھریں، خیر میں مر جاؤں بلا سے
صدقے کروں، قربان کروں اہلِ جفا کو
دو لاکھ نے گھیرا ہے مرے ایک چچا کو

۸۰ ہے ہے کہیں اس ظلم و ستم کا ہے ٹھکانا   سقّے پہ رسنا ہے کہیں تلوار اٹھانا!
کوئی بھی روا رکھتا ہے سیّد کا ستانا   جائز ہے کسی پیاسے سے پانی کا چھپانا
ہفتم سے غذا کھائی ہے نے پانی پیا ہے
بے رحموں نے کس دکھ میں ہمیں ڈال دیا ہے

۸۱ اچھی مری اماں! مرے سقّے کو بلا دو!   کہہ دو کہ سکینہ ہوئی آخر ادھر آؤ!
اب پانی نہیں چاہیئے: تابوت منگاؤ   کاندھے سے رکھو مشک جنازے کو اٹھاؤ
ملنے مری میّت سے گلے آئیں گے عباسؑ
یہ سنتے ہی گھبرا کے چلے آئیں گے عباسؑ

۸۲ اس عرصے میں حملے کیے مرحب نے وہاں چار   پر ایک بھی اس پنجتنی پر نہ لگا وار!!
مانندِ دل و چشم ہر اک عضو تھا ہشیار   غازیؑ ہوئی تلوار، مخالف ہوا ناچار
جب تیغ کو جھنجھلا کے رخِ پاک پہ کھینچا
تلوار نے انگلی سے الف خاک پہ کھینچا

۸۳ غازی نے کہا: بس اسی فن پر تھا تجھے ناز   سیکھا نہ یدُاللّٰہیؑ سے ضرب کا انداز
پھر کھینچی اس انداز سے تیغِ شرر انداز   جو میان کے بھی منہ سے ذرا نکلی نہ آواز
یاں خوف سے قالب کو کیا میان نے خالی
واں قالبِ اعدا کو کیا جان نے خالی

۸۴ یہ تیغ سراپا جو برہنہ نظر آئی   پھر جامۂ تن میں نہ کوئی روح سمائی
ہستی نے کہا توبہ، قضا بولی، دہائی   انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی
تو فتحِ مجسّم کا وہ سر جیب سے نکلا
نصرت کے فلک کا مہِ نو غیب سے نکلا

٨٥ بجلی گری بجلی پر، اجل ڈر کے اجل پر   اک زلزلہ طاری ہوا گردوں[٩٤] کے محل پر
ستیارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر   خورشید تھا مریخ پہ، مریخ زحل پر
یہ ہَول دیا تیغِ درخشاں کی چمک نے
جو تاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

٨٦ مرحب سے مُخاطِب ہوئے عباسِ دلاور: شمشیر کے مانند، سراپا ہوں میں جوہر
ممکن ہے کہ اک ضرب میں دو ہو تو برابر   پر اس میں عیاں ہوں گے نہ جوہر مرے تجھ پر
لے روک مرے وار ترے پاس سپر ہے
زخمی نہ کروں گا ابھی اظہارِ ہنر ہے

٨٧ کاندھے سے سپر لے کے مقابل ہوا دشمن   بتلا۔ نے لگے تیغ سے یہ ضرب کا ہر فن
یہ سینہ، یہ بازو، یہ کمر اور یہ گردن   یہ خود، یہ چار آئینہ، یہ ڈھال، یہ جوشن
کس وار کو وہ روکتا، تلوار کہاں تھی!
آنکھوں میں تو پھرتی تھی نگاہوں سے نہاں تھی

٨٨ مرحب نے نہ پھر ڈھال نہ تلوار سنبھالی   اک ہاتھ سے سر، ایک سے دستار سنبھالی
ظالم نے سناں غصّے سے اک بار سنبھالی   اس شیر نے شمشیرِ شرر بار سنبھالی
تانی جو سناں اس نے علم دار کے اوپر
نیزہ یہ اڑا لے گئے تلوار کے اوپر

٨٩ جو چال چلا وہ ہوا گمراہ و پریشاں   پھر زانچہ[٩٥] کھینچا جو کماں کا سرِ میداں
تیروں کی لڑائی پہ پڑا قُرعۂ پیکاں   تیروں کو قلم کرنے لگی تیغِ درخشاں
جوہر سے نہ تیروں ہی کے پھل داغ بدل تھے
گرشت کے تھے ساتھ تو چلّے کے پھل تھے

٩٠ اُس تیغ نے ترکش کے جو ترکش میں کیا گھر   غل تھا کہ گرا برج کبوتر میں وہ اژدر[٩٦]
پر تیروں کے کٹ کٹ کے اُڑے مثلِ کبوتر   مرحب ہوا مُضطر صفتِ طائرِ بے پر
بڑھ کر کہا غازی نے بتا کس کی ظفر ہے
اب مرگ ہے اور تو ہے، یہ تیغ اور وہ سر ہے

٩١ نامرد نے پوشیدہ کیا رخ کو سپر سے   اور کھینچ لیا خنجرِ ہندی کو کمر سے!
خنجر تو اُدھر سے چلا اور تیغ اِدھر سے   اُس وقت ہوا اچل نہ سکی بیچ میں ڈر سے
اللہ رے شمشیرِ علم دار کے جوہر
جوہر کیے اُس خنجرِ خوں خوار کے جوہر[٩٧]

٩٢ خنجر کو جو کاٹا تو وہ ٹھہری نہ سپر پہ   ٹھہری نہ سپر پر تو وہ سیدھی گئی سر پہ
سیدھی گئی سر پہ تو وہ تھی صدر[٩٨] و کمر پہ   تھی صدر و کمر پر تو وہ تھی قلب و جگر پہ
تھی قلب و جگر پر تو وہ تھی دامنِ زیں پر
تھی دامنِ زیں پر تو نہ مرکب تھا زمیں پر

٩٣ دو کرتی ہوئی دامنِ[٩٩] بدکیش سے نکلی   ارواح صفت جسمِ بد اندیش سے نکلی
مچھلی کی طرح بازوِ دل ریش سے نکلی   آڑی کبھی ہو ہو کے پس و پیش سے نکلی!
دم سینے میں کافر کے رکا اور یہ الگ تھی
دو ہو کے وہ دو سمت گرا اور وہ الگ تھی

٩٤ ایماں نے اچھل کر کہا: وہ کفر کو مارا   قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدرؑ سے نبیؐ بولے: یہ ہے فخر ہمارا   حیدرؑ نے کہا: یہ مری پُتلی کا ہے تارا
پروانۂ شمعِ رخِ تاباں ہوئی زہراؑ
محسن کو لیے گود میں قرباں ہوئی زہراؑ

٩٥ ہنگامہ ہوا گرم یہ ناری جو ہوا سرد[١٠٠]   واں فوج نے لی باگ، بڑھا یاں یہ جواں مرد
ٹاپوں کی صدا سے سرِ قاروں میں ہوا درد   رنگِ رخِ اعدا کی طرح اڑنے لگی گرد
قاروں کا زرِ گنجِ نہانی نکل آیا!
یہ خاک اڑی رن سے کہ پانی نکل آیا!

٩٦ اس صف پہ گری تیغ الٹ کر اسے مارا   سیدھی گری اُس پر تو اُلٹ کر اسے مارا
ہٹ کر اسے مارا تو پلٹ کر اُسے مارا   بڑھ کر اسے مارا کبھی گھٹ کر اُسے مارا
اللہ ری صفائی کہ ذرا خوں نہ بھرا نہ تھا
یہ کاٹ[١٠١] کے نکلی بھی تو سر تن پہ دھرا تھا

۹۷ توسن نے کہا: دیکھ میں بجلی ہوں، ہوا ہوں! — تلوار پکاری کہ میں آفت ہوں، بلا ہوں
وہ بولا: میں طاؤس ہوں، عنقا ہوں، ہما ہوں — ہنس کر یہ کہا تیغ نے: میں قہرِ خدا ہوں
گھوڑے نے کہا: لاشوں کو میں روند کے نکلوں
شمشیر پکاری میں کدھر کوند کے نکلوں

۹۸ اس برق نے چورنگ سرِ قاف کیا تھا — ہر قافؓ میں گھر تیغ نے تا قاف کیا تھا
منصب نے عجب طرح کا انصاف کیا تھا — مطلع پئے خورشیدِ علیؑ صاف کیا تھا
جب خون میں ڈوبی ہوئی انبوہ سے نکلی
تھا شور کہ وہ لال پری کوہ سے نکلی

۹۹ جو زندہ تھے "اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہ" پکارے — مردوں کے جو سر نیزوں پہ تھے "واہ" پکارے
ڈر کر عمرِ سعد کو گمراہ پکارے — خوش ہو کے علمدار سوئے شاہ، پکارے
یاں تو ہوا "یا حضرتِ شبیر" کا نعرہ
شبیرؑ نے ہنس کر کیا تکبیر کا نعرہ

۱۰۰ پردے کو اٹھا کر یہ بہن شہ کی پکاری: — عباسؑ نے کی فتح، مبارک ہو، میں واری!
اب کہتی ہوں، میں دیکھتی تھی جنگ یہ ساری — عباسؑ کی اک ضرب میں ٹھنڈا ہوا ناری
مرحب کو تو خیبر میں یداللہ نے مارا
ہم نام کو ابنِ اسد اللہ نے مارا

۱۰۱ میداں میں علمدار کے جانے کے میں صدقے — اس فاقے میں تلوار لگانے کے میں صدقے
باہم علم و مشک اٹھانے کے میں صدقے — اس پیاس میں اک بوند نہ پانے کے میں صدقے
سقا بنا پیاسوں کا مروّت کے تصدق
بے سر کیا شہ زوروں کو قوت کے تصدق

۱۰۲ تم دونوں کا ہر وقت نگہبان خدا ہو — دیکھے جو بری آنکھ سے، غارت ہو، فنا ہو
دونوں کی بلا لے کے یہ ماں جائی فدا ہو — رو کر کہا حضرت نے: بہن دیکھیے کیا ہو
منہ چاند سا مجھ کو جو دکھائیں تو میں جانوں
دریا سے سلامت جو پھر آئیں تو میں جانوں

۱۰۳ زینب سے بحسرت یہ بیاں کرتے تھے مولا — ناگاہ سکینہ نے سنا فتح کا چرچا
چلائی: میں صدقے ترے! اچھی مری فضا! — جا جلد، بلائیں مرے عمّو کی تو لے آ!
دکھ پیاس کا کہہ کر انھیں بے ہوش نہ کرنا
پر یاد دلانا کہ فراموش نہ کرنا

۱۰۴ لینے کو بلائیں گئی فضہ سوئے جنگاہؑ — عباس نے آتے ہوئے دیکھا اسے ناگاہ
چلائے کہ پھر جائیں، ہوا آتے سے آگاہ — کہہ دینا سکینہ سے ہمیں یاد ہے واللہ
دل پیاس سے بی بی کا ہوا جاتا ہے پانی
لے کر ترے بابا کا غلام آتا ہے پانی

۱۰۵ دریا پہ چلے ابرصفت اسد اللہ لیے برق — مرحب کے شریکوں کا جدا کرتے ہوئے فرق!
سردار میں اور فوج میں باقی نہ رہا فرق — مرحب کی طرح سب بچے ہٹ ہٹ میں ہوئے غرق
تلوار کی اک موج نے طوفان اٹھایا
طوفان نے سر پہ وہ بیابان اٹھایا

۱۰۶ لڑتا ہوا دریا میں دلاور جو در آیا — دی خضر نے آواز علیؑ کا پسر آیا
دریا میں ہوا شور کہ عالی گہر آیا — تھی دھوم ترائی میں کہ وہ شیرِ نر آیا
سکتہ یہ ہوا خضر کو الیاس نے دیکھا
پانی کو اتر گھوڑے سے عباس نے دیکھا

۱۰۷ پانی ہوئی ہر موج زرہ فوج کے تن میں — باقی نہ رہا دم کسی خنجر کے بدن میں
تلواریں بھی اس تیغ سے عاجز ہیں لڑن میں — سر تیغ نے جو ہر سے رکھے تنکے دھن میں
پھر غولِ بیاباں نہ خضر کو نظر آئی
امڈے ہوئے دریا کی طرح نہر پر آئی

۱۰۸ دریا کے نگہبان بڑھے ہونے کو چورنگ — پہنے ہوئے مچھلی کی طرح بر میں زرہ تنگ
کھینچے ہوئے موجوں کی طرح خنجرِ بے زنگ — سقے نے کہا، پانی پہ جائز ہے کہاں جنگ؟
دریا کے نگہبان ہو پر غفلتِ دیں ہے
مانندِ حباب آنکھ ہے بینائی نہیں ہے

۱۰۹ مذہب ہے یہ کیسا کہ رہِ شرع نہ جانی   مشربؑ ہے یہ کیسا کہ پلاتے نہیں پانی
پیے شیر کا بچپن علی اکبر کی جوانی   برباد کیے دیتی ہے اب تشنہ دہانی
سب غنچہ دہانوں کی زباں پیاس سے شق ہے
دریا ہی سے پوچھو تو کس پیاسے کا حق ہے

۱۱۰ پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار   پینے دو تو ہے خیر، نہیں کرتا ہوں فی النار
وہ بولے کہ اک بوند کا لینا بھی ہے دشوار   حضرت نے کہا: ہاں، یہ ارادہ ہے تو ہشیار
لو سیل کو اور برقِ شرر بار کو روکو
رہوار کو روکو مری تلوار کو روکو!

۱۱۱ یہ کہہ کے کیا اسپِ سبک ناز کو مہمیز   بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرسِ تیز
اشرار کے سر پر ہوا غلول سے شرریز   سیلاب فنا تھا کہ وہ طوفانِ بلاخیز
جھپکی پلک اس رخش کو جب قہر میں دیکھا
پھر آنکھ کھلی جب تو رواں نہر میں دیکھا

۱۱۲ یہ تیغ جو چمکی، ہوئی آنکھوں میں چکاچوند   جوہر کی یہ چشمک تھی اِدھر کوند اُدھر کوند
مرکب سے اجل بولی: اِسے روند اُسے روند   وضعاتؑ میں لشکر کا مہِ عمر ہوا کوند
جھپکی پلک اس رخش کو جو قہر میں دیکھا
پھر آنکھ جو کھولی تو رواں نہر میں دیکھا

۱۱۳ دریا پہ ہوا غل کہ "وہ دُرِّ نجف آیا"   الیاسؑ و خضر بولے: ہمارا شرف آیا
عباس شہنشاہِ نجف کا خلف آیا!   پابوسؑ کو موتی لیے دستِ صدف آیا
یاد آگئی پیاسوں کی جو حیدرؑ کے خلف کو
دل خون ہوا دیکھ کے دریا کی طرف کو

۱۱۴ سوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دہانا   بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانا
اعلا نے کیا دور سے تیروں کا نشانا   اور چوم لیا روحِ ید اللہ نے شانا
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو بیٹا
پانی مری پوتیؑ کے لیے بھرتے ہو بیٹا

۱۱۵ دریا سے جو نکلا اسد اللہ کا جانی   تھا شور کہ "دیکھو وہ لیے جاتا ہے پانی"
پھر راہ میں حائل ہوئے سب ظلم کے بانی   سقائے سکینہ کی یہ کی مرتبہ دانی
قبریں نبی و حیدرؑ و زہراؑ کی ہلا دیں
برچھوں کی جو نوکیں تھیں کلیجے سے لگا دیں

۱۱۶ وہ کون سا تھا تیر کہ دل پر نہ لگایا!   مشکیزے کے پانی سے سوا خوں بہایا
یہ زغہؑ تھا جو شمر نے حیلے سے سنایا   عباسؑ بچو! اغول کمیں گاہ سے آیا
مڑ کر جو نظر کی خلفِ شیرِ خدا نے
شانوں کو تہِ تیغ کیا اہلِ جفا نے

۱۱۷ لکھا ہے کہ اک نخلِ رُطب تھا سرِ میداں   ابنِ وَرَقہ، زیدِ لعیں اُس میں تھا پنہاں
پہنچا جو وہاں سرورِ روانِ شہِ مرداں   جو شانہ تھا مشک و علم و تیغ کے شایاں
وار اس پہ کیا زید نے شمشیرِ اجل سے
یہ پھول پھلی شاخ کٹی تیغ کے پھل سے

۱۱۸ مشک و علم و تیغ کو بائیں پہ سنبھالا   اور جلد چلا عاشقِ روئے شہِ والا
پر ابنِ طُفَیل آگے بڑھا تان کے بھالا   نیزے کی انی سے تو کیا دل تہ و بالا
اور تیغ کی ضربت سے جگر شاہ کا کاٹا
یہ ہاتھ بھی فرزندِ یدُاللہ کا کاٹا!

۱۱۹ سقّے نے کٹی باہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر   مانند زباں منہ میں لیا تسمۂ اطہر
ناگاہ کئی تیر لگے آ کے برابر   اک مشک پہ، اک آنکھ پہ، اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خون بدن سے
عباس گرے گھوڑے سے اور مشک دہن سے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) شعارِ دبیر میں اس کے بعد یہ بند ہے:-
کچھ فرق تری کوشش و ہمت میں نہیں ہے   پانی مگر اس پیاسی کی قسمت میں نہیں ہے
وقفہ مرے پیارے کی شہادت میں نہیں ہے   جو زخم میں لذت ہے وہ جرأت میں نہیں ہے
اک خون کی نہر آنکھوں سے زہراؑ کے بہی ہے
رونے کو تری لاش پہ سر کھول رہی ہے

۱۲۰ گر کر لبِ زخمی سے علمدار پکارا   کہہ دو کوئی پیاسوں سے کہ سقا گیا مارا
سن لی یہ صدا شاہِ شہیداں نے قضارا   زینب سے کہا: لو نہ رہا کوئی ہمارا
اصغر کا گلا چھد گیا، اکبر کا جگر بھی
بازو بھی مرے ٹوٹ گئے اور کمر بھی

۱۲۱ گویا کہ اسی وقت جلے خیمے ہمارے   ظالم نے طمانچے بھی مری بیٹی کے مارے
بیڑی میں مسلسل ہوئے عابد مرے پیارے   رسی میں مرے خرد و کلاں بندھ گئے سارے
اعدا میں ہے غل مالکِ شمشیر کو مارا
یہ کیوں نہیں کہتے ہیں کہ شبیر کو مارا

۱۲۲ زینب نے کہا: سچ ہے تمہیں مر گئے بھائی   سب کنبے کو عباسؑ فنا کر گئے بھائی
آفاق سے اب حمزہؓ و حیدرؑ گئے بھائی   ہم مجلسِ حاکم میں کہاں [illegible] گئے بھائی
میں جان چکی قیدِ مصیبت میں پڑی ہوں
اب گھر میں نہیں بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں

۱۲۳ ناگاہ صدا آئی کہ اے فاطمہؑ کے لال!   جلد آ کہ لاشا مرا اب [illegible] پامال
زینبؑ نے کہا زندہ ہیں عباسؑ خوش اقبال   تم جاؤ میں یاں سر پہ ردا کھولتی ہوں بال
شہ بولے اب گورِ سکینہ کا چچا ہے
اس فوج کا مارا ہوا کوئی بھی بچا ہے

۱۲۴ اکبر کے سہارے سے چلے نہر کو آقا!   گہ ہوش تھا، گہ غش، کبھی سکتہ کبھی نوحا
لکھا ہے کہ ٹکڑے ہوئے یوں سقے کے اعضا   اک ہاتھ تو مقتل میں تھا اور اک لبِ دریا
زہراؑ کا پسر رن میں جو زیرِ شجر آیا
اک ہاتھ تڑپتا ہوا شہ کو نظر آیا

۱۲۵ گر کر شہِ والا نے یہ اکبر سے کہی بات   اے لال! اٹھا لو مرے بازو کا یہ ہات
یہ ہاتھ رکھے سینہ پہ وہ وارثِ سادات   پہنچا جو سرِ لاشۂ عباسِ خوش اوقات
بغلوں میں کٹے تیغوں سے شانے نظر آئے
سر ننگے ید اللہ سرہانے نظر آئے

۱۲۶ بے ساختہ ماتھے پہ رکھا شاہ نے ماتھا   لب رکھ کے لبوں پر کہا: "وَاحَسرتا وَ دَردا"
یہ تیر، یہ آنکھ اور یہ نیزہ، یہ کلیجا   وَاقُرّۃَ عَینَاہ مرے، وَا رَاحۃَ قَلبا
کچھ منہ سے تو بولو مرے غمخوار برادر
عباس، ابوالفضل، علمدار، برادر!

۱۲۷ اس جاں شکنی میں جو سنا شیونِ مولا   تعظیم کی خدمت میں، کٹے شانوں کو ٹپکا
پھر پاؤں سمیٹے کہ نہ ہوں پائنتی آقا   شہ بولے نہ تکلیف کرو اے مرے شیدا
کی عرض میں پھیلائے ہوئے پاؤں پڑا ہوں
حضرت نے کہا: میں تو سرہانے پہ کھڑا ہوں

۱۲۸ یاں تھی یہ قیامت وہاں خیمے میں یہ محشر   در پر تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
تشویش تھی کیوں لاش کو لے آئے نہ سرور   عباس کا فرزند سراسیمہ تھا باہر
تن رعشے میں خورشیدِ درخشاں کی طرح تھا
دل ٹکڑے یتیموں کے گریباں کی طرح تھا

۱۲۹ ضد کرتا تھا ماں سے مرے بابا کو بلا دو   میں نہر پہ جاتا ہوں مرا نیمچہ لا دو!
ماں کہتی تھی: بابا نے سکینہ کو دعا دو   بابا بھی چچا کو کہو، بابا کو بھلا دو
حیدرؑ سے نویں سال چھڑایا تھا قضا نے
واری ترے بابا کو بھی پالا تھا چچا نے

۱۳۰ دریا پہ ابھی گھر گئے ہیں بابا تمہارے   پیارے کے چچا جان ہیں لینے کو سدھارے
تو رو نہیں اے میرے رنڈاپے کے سہارے   بابا کو چچا جان لیے آتے ہیں پیارے
تھا عشق جو عباس سے اُس نیک خلف کو
بڑھ بڑھ کے نظر کرتا تھا دریا کی طرف کو

۱۳۱ ناگاہ پھرا پیٹتا منہ کو وہ پریشاں   زینبؑ نے کہا: خیر تو ہے، میں ترے قرباں
چلایا کہ خادم کی یتیمی کا ہے ساماں   بھیا علیؑ اکبر نے ابھی پھاڑا گریباں
بن باپ کا بچپن میں ہمیں کر گئے بابا
مُردے سے لپٹتے ہیں چچا، مر گئے بابا

۱۳۲ یہ غل تھا کہ مولا لیے مشک و علم آئے   خیمے میں کمر پکڑے امامِ امم آئے
اور گردِ علم بال بکھیرے حرم آئے   زینب سے کہا شہ نے بہن لٹ کے ہم آئے
بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینبؑ
تم مہتممِ سوگِ علم دار ہو زینبؑ

۱۳۳ ہاں، سوگ کا حیدرؑ کے سیہ فرش بچھاؤ   ہیں رختِ عزا جن میں وہ صندوق منگاؤ
دو سب کو سیہ جوڑے، عزادار بناؤ   شبرؑ کے عزا کا ہمیں ملبوس پنہاؤ
تم پہنو وہ کالی کفنی آلِ عبا میں
جو فاطمہؑ نے پہنی تھی حمزہ کی عزا میں

۱۳۴ عباسؑ کا یہ سوگ نہیں سوگ ہے میرا   عباس کا ماتم بھی مرے گھر میں ہو برپا
نوحے ہیں نہ عباس کہے کوئی نہ سقا   جو بین کرے رو کے کہے ہائے حسینا
سب لونڈیاں روئیں شہِ والا گیا مارا
چلائے سکینہؑ بھی کہ بابا گیا مارا

۱۳۵ زینب نے کہا: ہیں مری قسمت کے یہی کام   دینے لگی ماتم کے سیہ جوڑے وہ ناکام
فضہؑ نے کہا: کون سی شادی کا ہے انعام   بولی: ہوا ٹھنڈا علمِ لشکرِ اسلام
زہراؑ کا لباس اپنے لیے چھانٹ رہی ہوں
عباس کا ملبوسِ عزا بانٹ رہی ہوں

۱۳۶ پھر زیرِ علم فرشِ سیہ اس نے بچھایا   اور بیوۂ عباسؑ کو خود لا کے بٹھایا
تھے جتنے سیہ پوش انھیں رو کے سنایا   قسمت نے جواں بھائی کا بھی داغ دکھایا
ناسور نہ کس طرح سے ہو دل میں جگر میں
ماتم ہے علم دار کا سردار کے گھر میں

۱۳۷ باقی کوئی دستورِ عزا رہنے نہ پائے   اب خیمے میں اپنے ہر اک اس خیمے سے جائے
ایک ایک جدا پرسے کو عباس کے آئے   سر ننگے لبِ فرشِ سیہ زینب اسے لائے
یہ جعفرؑ و حمزہؑ کا، یہ حیدر کا ہے ماتم
شبیرؑ کا، اکبرؑ کا، اور اصغر کا ہے ماتم

۱۳۸ سب خیموں میں اپنے گئیں کرتی ہوئی زاری   یاں کرنے لگی بین یدُ اللہ کی پیاری
ناگاہ قریب آن کے فضہ یہ پکاری   اے بنتِ علیؑ آتی ہے بانو کی سواری
منہ ڈھانپے علم دارِ خوش اطوار کی بی بی
پرسے کے لیے آتی ہے سردار کی بی بی

۱۳۹ بانو نے قدم پیچھے رکھا فرشِ سیہ پر   پہلے وہاں بٹھلا دیا اصغرؑ کو کھلے سر
پھر سوئے علم پیٹتی دوڑی وہ یہ کہہ کر   قربان وفا پر تری اے بازوئے سرور
سنتی ہوں کہ تیغِ ستم ہو گئے بازو
دریا بہشتی کے قلم ہو گئے بازو

۱۴۰ عباس کو تو میں نہ سمجھتی تھی برادر   میں ان کو پسر کہتی تھی اور وہ مجھے مادر
اس شیر کے مر جانے سے بےکس ہوئے سرور   بے جان ہوا حافظِ جانِ علی اکبرؑ
سب کہتے ہیں حضرت کا برادر گیا مارا
پوچھو جو مرے دل سے تو اکبر گیا مارا

۱۴۱ زینبؑ نے کہا بیٹھ کے اب شور مچاؤ   چھاتی سے علم دار کی بیوہ کو لگاؤ
وہ بولی کہ ہے ہے نہ مجھے پاس بلاؤ   پرچھاویں سے بیوہ کے سہاگن کو بچاؤ
سکھ مانگ کا اور کوکھ کا پائے مری بی بی
پوتوں پھلے اور دودھوں نہائے مری بی بی

۱۴۲ اتنے میں سنی بالی سکینہؑ کی دہائی   زینب نے کہا: روح علم دار کی آئی
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ شبیرؑ کی جائی   کہتی تھی: سزا پانی کے منگوانے کی پائی
تعزیر دو، یا دخترِ شبیر کو بخشو!
اچھی پھپھی اماں! مری تقصیر کو بخشو!

۱۴۳ میں نے تمھیں بیوہ کیا رنڈسالہ پنہایا!   ہے ہے مری اک پیاس نے سب گھر کو رلایا
کوثر پہ سدھارا اسد اللہ کا جایا   اور کنبے کا الزام مرے حصے میں آیا
انصاف کرو لوگو! یہ کیا کر گئے عمّو!
میں پیاسی کی پیاسی رہی اور مر گئے عمّو!

۱۴۴ بعد اس کے ہوا شور کہ لو آتی ہے بیوہ   تشریف نئی بیوہ کے گھر لاتی ہے بیوہ
گھونگھٹ کو الٹتے ہوئے شرماتی ہے بیوہ   سر گوندھا ہوا اس سے کھلواتی ہے بیوہ
زینب نے کہا بیوۂ فرزندِ حسنؑ ہے
یہ کیوں نہیں کہتے، مرے قاسم کی دلہن ہے

۱۴۵ کبریٰؑ کو چچی پاس جو زینب نے بٹھایا   اس بیوہ نے گھونگھٹ لبِ رخ کر اسے ہٹایا
اور پوچھا کہ دولہا ترا کیوں ساتھ نہ آیا!   افسوس چچی نے تجھے مہماں نہ بلایا!
پرسے کو تو آئی خلفِ شیرِ خدا کے
پہلا ترا چالا یہ ہوا گھر میں چچا کے

۱۴۶ ناگاہ فغاں زیرِ علم یہ ہوئی پیدا   سیدانیو، دو مادرِ عباسؑ کو پرسا
تعظیم کو سب اٹھتے کہ ہے نالۂ زہراؑ   زینبؑ نے کہا ہے گی وطن میں تو وہ دکھیا
آئی یہ ندا: پاس ہوں میں دور کہاں ہوں
عباسؑ مرا بیٹا، میں عباسؑ کی ماں ہوں

۱۴۷ رنڈسالہ بہو کے میں پہنانے کو ہوں آئی   اک حلّۂ پُر نور میں فردوس سے لائی
عباسؑ کے ماتم کی تو صف تم نے بچھائی   سامانِ سُوئم ہو گا نہ کچھ اے مری جائی
تم روزِ سوم یاں سے رواں شام کو ہوگی
چہلم کو کفن لاشِ علم دار کو دوگی

۱۴۸ لو حیدریو! واردِ مجلس ہوئیں زہراؑ   دو فاطمہؑ کی روح کو عباسؑ کا پُرسا
اب تک نہیں کفنائے گئے ہیں شہِ والا   بے گور ہے سردارِ علم دار کا لاشا
روتے نہیں دیتے ہیں عدو آلِ نبیؐ کو
تم سب کے عوض روؤ حسینؑ ابنِ علیؑ کو

۱۴۹ خاموش دبیر اب کہ نہیں نظم کا یارا!   مدّاح کا دل خنجرِ غم سے ہے دوپارا
کافی ہے پئے بخشش یہ وسیلہ ہے تمہارا   اک ہفتہ میں تصنیف کیا مرثیہ سارا
تجھ پر کرمِ خاص ہے یہ حق کے ولی کا
یہ فیض ہے سب مدحِ جگر بندِ علیؑ کا

زائد و مربوط بند

(۲)

۴۴ واحسرت و دردا کسی بے پیر نے آکر   اک گرز لگایا کہ جھکے خوں میں نہا کر
یہ سانحہ دیکھا جو درِ خیمہ پہ جا کر   زینب نے کہا ہاتھ سوئے قبلہ اٹھا کر
اے ربِّ ہُدا شہ کے فدائی کو بچانا
شہ نے کہا: یارب مرے بھائی کو بچانا

۴۵ واں حشر ہوا کٹ گئے بازوئے علم دار   گل رنگ ہوا سنبلِ گیسوئے علم دار
ہنستے ہوئے آتے ہیں عدو سوئے علم دار   ٹکڑے ہوئے آئینۂ پہلوئے علم دار
بھٹکے شیرِ ترائی کی طرف پھر پڑے عباس
"یا حیدرِ کرّار" کہا، گر پڑے عباس

۴۶ دی سیدِ بے کس کو ندا، وقتِ مدد ہے!   یا شاہِ غریب الغُربا وقتِ مدد ہے!
دنیا سے یہ جاں باز چلا وقتِ مدد ہے!   اے اوجِ سعادت کے ہما وقت
یا سبطِ رسول الثقلین! آئیے جلدی
فدوی ہے سرِ راہ حسینؑ! آئیے جلدی

۴۷ اس قہر کی آواز نے دل شہ کا ہلایا   عمامے کو اپنے سرِ اقدس سے گرایا
رو رو کے قدم جانبِ جنگاہ بڑھایا   اس طرح سے رو رو کے تب اکبر کو سنایا
لو ماہِ بنی ہاشمی آتے ہیں اُدھر کو
گھیرا ہے کسی نحس ستارے نے قمر کو

۴۸ چلائی سکینہ کہ خدارا ارے لوگو   بتلاؤ، نہیں ضبط کا یارا ارے لوگو
بابا کو ابھی کس نے پکارا ارے لوگو   کیا میرے چچا جان کو مارا ارے لوگو
نکلوں تو خفا ہوتے ہوئے آئیں گے بابا
سر ننگے مجھے دیکھ کے جھنجھلائیں گے بابا

۴۹ پھر دھوم ہوئی: مارلو، یہ جانے نہ پائیں — صورت شہِ مظلوم کو دکھلانے نہ پائیں
آئیں جو حسینؑ ابنِ علیؑ آنے نہ پائیں — غنچے چمنِ زخم کے مرجھانے نہ پائیں
مہلت کوئی دم شہ کے فدائی کو نہ دینا
ہاں، کاٹ کے سر بھائی کا بھائی کو نہ دینا

۵۰ سن کر یہ سخن فوج کا تھرّا گئے شبیرؑ — شمشیر تڑپنے لگی، جھنجھلا گئے شبیرؑ
کھینچے ہوئے تیغِ دوزباں آگئے شبیرؑ — سرکا کے سبھوں کو لبِ دریا گئے شبیرؑ
بند آنکھیں کیے بے کس و بے آس کو دیکھا
غش میں شہِ مظلوم نے عباس کو دیکھا

۵۱ دیکھا کہ جبیں ریگِ بیاباں سے بھری ہے — پہلو میں چھدی مشک سکینہ کی پڑی ہے
خورشیدِ ید اللہ چراغِ سحری ہے — پیکاں تو پسِ پشت ہے سینہ میں چھری ہے
تڑپے جو علمدار سنبھالا شہِ دیں نے
منہ پھیر کے پھر تیر نکالا شہِ دیں نے

۵۲ جھک جھک کے شگافِ سرِ صفدر کبھی دیکھا — خوں پونچھ کے بازوئے دلاور کبھی دیکھا
پہلوئے علمدار دبا کر کبھی دیکھا — پھر گردِ رخِ دلبرِ حیدر کبھی دیکھا
نالے کیے شبیرؑ نے غازی سے لپٹ کر
منہ منہ سے ملا خوب نمازی سے لپٹ کر

۵۳ ماتھے پہ دھرا ہاتھ ولی ابن ولی نے — پہچان لیا شہ کو سعیدِ ازلی نے
ہنس کر یہ کہا حضرتِ عباس علی نے — ممتاز کیا سبطِ رسولِ عربی نے
عباس شہنشاہِ حجازی کے تصدق
اس پیار کے اس بندہ نوازی کے تصدق

۵۴ یہ کہتے ہی دنیا سے سفر کر گئے عباسؑ — شبیرؑ تو دیکھا کیے اور مر گئے عباسؑ
شہ بولے کہ پیاسے لبِ کوثر گئے عباسؑ — ٹکڑے ہوئے اور خوں میں بھی بھر گئے عباسؑ
کیا کیا نہ قلق دل پہ خجالت سے کہوں گا
پوچھے گی تو کیا خیمے میں بھاوج سے کہوں گا

۵۵ یہ کرتے تھے لاشے سے علمدار کے گفتار — جو نوحہ سنا زوجۂ عباسؑ کا اک بار
اے بیبیو! رنڈسالے کا جوڑا کرو تیار — غل کیسا ہے؟ مارے گئے کیا رن میں علمدار
دریا پہ جواب "ہائے برادر" کی صدا ہے
شہ روتے ہیں والی کو مرے قتل کیا ہے

۵۶ میں رانڈ ہوئی، دل مرا دیتا ہے گواہی — پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
یہ ایک، اُدھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی — کس کس سے لڑے دلبرِ ضرغامِ الٰہی
پیاسے پہ جو کوہِ غمِ جاں کاہ گرا ہے
یا مشک چھدی، یا علمِ شاہ گرا ہے

۵۷ فضّہ سے کہا: پردے کا اس وقت نہ کر دھیان — بچے مرے روتے ہیں لبوں پر ہے مری جان
ہے ہے مجھے ماتم کا نظر آتا ہے سامان — لا دے مرے والی کی خبر، میں ترے قربان
دریا پہ ہیں یا شام کی بدلی میں نہاں ہیں
دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں

۵۸ فضّہ گئی روتی ہوئی اور پیٹتی آئی — تھا لب پہ مکرر کہ دُہائی ہے، دُہائی
سیدانیوں مارا گیا شبیرؑ کا بھائی — حیدرؑ کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
ہر سمت نظر لشکرِ غم آتا ہے لوگو
عباس نہ آئیں گے علم آتا ہے لوگو

۵۹ حضرت کو ہے بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم — پُرسے کے لیے آئیں گے اب سرورِ عالم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفِ ماتم — روئیں وہاں سب بی بیاں سر کھول کے باہم
پردیس میں عمو سے چھٹی ہائے سکینہ
تھامو اسے ایسا نہ ہو مر جائے سکینہ

۶۰ ہوش اڑ گیا بانو کا ہوا حال مکدّر — سر کھول دیا پھینکی سرِ پاک سے چادر
زوجہ کیا عباس کے ماتم میں یہ رو کر — ہے ہے مرے دیور، مرے دیور، مرے دیور
سقائے سکینہ، مہِ تاباں، بہشتی!
بھاوج ترے صدقے ترے قربان بہشتی!

۶۱ اس حال سے بانو کو سکینہ نے جو دیکھا — سر پیٹا کبھی اور کبھی سینے کو پیٹا
مادر سے یہ گھبرا کے کہا : وائے دریغا — ہاں، میرے عمو جان پہ کیا حادثہ گذرا
اکبر کی قسم تم کو سفر کر گئے عباسؑ
بانو نے کہا پیٹ کے سر، مر گئے عباسؑ

۶۲ ناگاہ علم شہ کا چمکتا ہوا آیا ! — ماتم تھا کہ پنجہ بھی لچکتا ہوا آیا
مشکیزہ بھی بے آب لٹکتا ہوا آیا — اور خون بھی پھریرے سے ٹپکتا ہوا آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
صدمے سے علم کی بھی کمر ٹوٹ گئی تھی

۶۳ تھامے ہوئے دامانِ علم سبطِ پیمبر — خوں منہ پہ ملے چاک گریباں کھلے سر
دامن کو سنبھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر — حمزہؑ کی وفات آج ہوئی، اٹھ گئے حیدرؑ
عمو پہ تمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
بس آخری ہے آج زیارت بھی علم کی

۶۴ ڈیوڑھی سے جھکا کر اسے جو خیمے میں لائے — سب اہلِ حرم زیرِ علم پیٹتے آئے
غل پڑ گیا، ہے ہے اسد اللہ کے جائے — مشکیزہ بھی نیزوں سے چھدا، زخم بھی کھائے
پیاسے رہے پانی نہ پیا نہر پہ جا کے
صدقے تری سقائی کے، قربان وفا کے

۶۵ ناشاد سکینہ کا عجب حال تھا غم سے — ماں تھامتی تھی اور وہ لپٹی تھی علم سے
آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ امم سے — چلاتی تھی : فریاد، چچا چھٹ گئے ہم سے
یہ تشنہ جگر قابلِ تعزیر ہے لوگو!
کیوں پانی کو بھیجا، مری تقصیر ہے لوگو!

۶۶ اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہے ہے — کون اب مرے مشکیزے کو بھر لائے گا ہے ہے
کیا جانتی تھی تو یہ پڑ جائے گا ہے ہے — ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہے ہے
روکو نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پہ چچا کے

۶۷ اُس شور میں زینبؑ سے کہا شہ نے کہ جاؤ — اب زیرِ علم زوجۂ عباسؑ کو لاؤ
زینب نے کہا بانو سے بے کس کو بلاؤ — پہلے جو مناسب ہو تو رنڈسالہ پنہاؤ
تقدیر نے لوٹا اسے آفت کے سفر میں
اک دن تھا کہ یہ بن کے دُلہن آئی تھی گھر میں

۶۸ لے آئیں اسے بیبیاں کرتی ہوئی زاری — چلائی سکینہ کہ چچا جان میں واری
دیکھو تو ذرا خون بھری مشک ہماری — وہ زیرِ علم خاک پہ گر کر یہ پکاری
مشکیزہ تو دیکھا پہ تنِ پاش کہاں ہے
بتلاؤ کہ وارث کی مرے لاش کہاں ہے

۶۹ یہ سن کے اٹھے خاک سے روتے ہوئے سرور — مسند پہ لٹایا علم اور ڈال دی چادر
بھاوج سے یہ فرمایا کہ اے بے کس و مضطر — مجبور تھا دریا سے انھیں لاتا میں کیوں کر
"لاشہ نہ اٹھانا" یہ وصیت تھی اخی کی
سمجھو کہ یہی لاش ہے عباسِ علیؑ کی

۷۰ پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بے کس و ناچار — معلوم ہوا صاف کہ ہے لاشِ علمدار
دم گھٹنے لگا سینہ میں گھبرایا دلِ زار — تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار
طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر
غش ہو گئی، سر رکھ کے سکینہ قدم پر

۷۱ پھر غش سے ذرا ہوش جو اس بی بی کو آیا — زینب نے اسے دوڑ کے سینے سے لگایا
شبیرؑ نے تب خواہرِ بے کس کو بلایا — اور کان میں آہستہ یہ رو رو کے سنایا
بیوہ ہے زیادہ اسے تڑپاتی ہو زینبؑ
رنڈسالہ کا جوڑا نہیں پہناتی ہو زینب!

۷۲ زینبؑ نے جو رنڈسالہ کے جوڑے کا سنا نام — رعشہ یہ ہوا غم سے لگے کانپنے اندام
رنڈسالہ پنہانے لگی جس وقت وہ ناکام — سادات کے رونے سے ہوا خیمہ میں کہرام
سب کہتے تھے، مٹتا ہے نشاں آج علیؑ کا
فرزند زبردست ہے احمدؐ کے وصی کا